نام کتاب	:	*The Future of Islam*
مصنف	:	Wilfred S. Blunt
ناشر	:	Nonsuch Publishing Ltd. (UK)
سن طباعت	:	۲۰۰۷ء
صفحات	:	۱۹۲
قیمت	:	۱۰ پاؤنڈ
تبصرہ نگار	:	ثمینہ بشیر ؀

یہ انیسویں صدی کے انگریز سفارت کار (اور شاعر) کی تحریر ہے۔ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۸۸۲ء میں Nonsuch Publishing Ltd. سے شائع ہوئی۔ اس میں جن مسائل پر بات کی گئی ہے وہ آج بھی اہم ہیں۔اس کا موجودہ ایڈیشن ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں پانچ ابواب ہیں۔ مصنف نے اس دور کے مسلم ممالک کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا ہے۔اس نے ۱۸۸۰ء کے حجاج کی فہرست دی اس اعتراف کے ساتھ کہ اس کی شماریات، ہو سکتا ہے کلی طور پر صحیح نہ ہوں۔ مختلف ممالک کے حاجیوں کو شمار کرتے ہوئے، مصنف کے مطابق اس سال ایک لاکھ پچھتر ہزار لوگوں نے حج کیا۔ مسلمانوں کے فرقوں کی تعریف کرتے ہوئے مصنف نے عیسائیوں کے برعکس ان کے اتحاد اور وسعتِ نظری کو سراہا سوائے (اس کے خیال میں) وہابی فرقہ کے جو دوسرے فرقوں پر شرک اور بت پرستی کی تہمت لگاتے تھے۔ اس نے مسلم آبادی کو سنی، شیعہ، اباضیہ اور وہابیوں میں تقسیم کرتے ہوئے ان کی مردم شماری (جو کہ اندازاً ہے) پیش کی ہے۔ مصنف نے ان فرقوں کی تشریح مختلف راستوں سے ایک ہی منزل کی طرف جانے سے تعبیر کی ہے۔ مصنف نے اہلِ سنت کے تین مذاہب حنفی، مالکی اور شافعی کو قابل ذکر اور حنبلی کو غیر اہم (ان کی تعداد کے پیش نظر) مانا ہے۔

حنفی مذہب کو اپنے ماننے والوں کے مذاق کے مطابق ڈھلنے والا بتایا ہے کیوں کہ اس وقت ترکوں میں خمر مشروب پینے اور لونڈیاں رکھنے کا رواج تھا جو کہ مذہباً حنفی تھے (یہ عجیب تعبیر ہے)۔ ترکوں کے بارے میں مصنف

؀ اسسٹنٹ پروفیسر، فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لا، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

کا خیال ہے کہ اس کے وقت میں وہ کم حج کرتے تھے کیوں کہ حج کا ماحول اور سختی ان کے ماڈرن ازم سے متصادم تھی۔ ان کے مقابلے میں عثمانی سلطنت کے باقی عوام جیسے کہ شامی، روسی، تاتار اور دیگر، زیادہ تعداد میں حج کرتے تھے۔ ترکوں کے ہاں بہت کم قابل ذکر مذہبی رہ نما یا آزاد مفکر تھے۔ مصنف نے اس حوالے سے مصر کا ذکر کیا کہ وہ مستقبل میں اسلام کی سیاست میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

طرابلس، تیونس، الجزائر اور مراکش (مصنف کے خیال میں) مستقبل میں یورپ کے لیے مشکل ثابت ہو سکتے ہیں۔ مصنف نے مساواتِ اسلام کا تقابل عیسائیت کے ہاں عدم اخوت سے کیا ہے۔ جہاں تک اسلام یا مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کے ہاں معاشی فرق اور رنگ و نسل کا تضاد آڑے نہیں آتا۔

وسطی افریقہ کو مصنف نے ”اسلام کی میراث“ آنے والے وقتوں کے لیے کہا ہے۔

عمومی طور پر حاجی، مکہ کی خراب گورننس اور مشکلات کی عدم تلافی کے باعث مایوس ہوتے تھے۔ انڈین مسلمان، مصنف کے خیال میں، مستقبل میں عنقریب اور اگلی نسل تک اسلام کے لیے قابل ذکر کردار ادا کریں گے۔ اب انگلستان کم از کم یہ تو کر سکتا ہے کہ اسلام کا اعتراف کر لے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے لڑا جائے اور اسے تباہ کیا جائے۔ مصنف نے حج کے موسم میں جدہ کا سفر کیا جہاں اسلام کی وسعت اور عالمیت کا نظارہ کیا۔ تاہم مذاہبِ سنت کے حوالے سے مصنف کی معلومات کمزور نظر آتی ہیں۔ مصنف نے مذاہبِ اہلِ سنت، شیعہ، اباضیہ اور تحریکِ وہابیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ مصنف نے اس دور کی Colonial Powers برطانوی اور فرانسیسی سامراج پر اپنے مسلمان عوام کی حج کی خواہش اور ضرورت کو نظر انداز کرنے اور اس میں (خاص کر فرانس) کی طرف سے روڑے اٹکانے کی کوشش کی، مذمت کی ہے (جو کہ بظاہر الجزائری مسلمانوں کو باقی مسلمانوں سے کاٹنے کی ایک کوشش تھی)۔ مصنف نے دردمندی سے برطانوی کپتان کا حاجیوں کو لے جانے والے بحری جہاز کو سمندر میں بے یارومددگار چھوڑ کر بھاگنے کے ایک واقعہ کا تذکرہ کیا جس کو صرف دو سال لائسنس معطلی کی سزا ملی تھی جب کہ ہندوستانی حاجیوں سے حجاز میں بھی بہتر سلوک نہیں ہوتا تھا کیوں کہ وہ برطانوی شہری تھے۔ ولندیزی حکومت اپنی کالونی (جاوا وغیرہ) کے حاجیوں کا بہتر خیال رکھتی تھی۔

وہابی تحریک کامیاب ہو سکتی تھی اگر وہ اپنے آپ کو فروعی باتوں میں نہ الجھا لیتی جیسے کہ مزارات اور میناروں کو مسمار کرنا وغیرہ البتہ وہ اصلاح کی خواہش ضرور پیدا کر سکے اگرچہ اصلاح نہ بھی کر سکے ہوں یا اپنے مقاصد حاصل نہ کر سکے ہوں۔

مصنف نے بتدریج خلافت کے بادشاہت یا موروثی خلافت میں تبدیل ہونے کا ذکر کیا اور مسلمانوں کی مختلف سلطنتیں قائم ہونے اور پھر ایک وقت پر ترک سلطان سلیم کا برائے نام خلیفہ کا خطاب لینے کا ذکر کیا ہے۔ مصنف نے اعتراف کیا ہے کہ مختلف واقعات کی تواریخ میں فرق ہو سکتا ہے۔ مصنف برطانوی حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ مسلمانوں کے داخلی اختلاف جو ابھی پوری طرح واضح بھی نہیں ہوئے ان میں دخل اندازی کرنے کے بجائے واقعات کو فطری رخ اختیار کرنے دے اور بالآخر اپنے مفادات کے حق میں موڑے۔ اس وقت عثمانی خلیفہ عبدالحمید کی کمزور حکومت کے پیشِ نظر اور اس کے آخری عثمانی حکمران ہونے کی پیش بینی کرتے ہوئے اس کا دعویٰ ہے کہ مسلمان (ترک اور مصری) کچھ مغربی اخلاقی اقدار اپنا رہے ہیں جیسے کہ یک زوجگی (Monogamy)۔ چار ہجری کا معاہدہ جو عیسائیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے کیا اس کا متن، جو ازہر یونی ورسٹی میں متداول تھا، کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف نے عیسائیت اور اسلام کے درمیان پرامن بقائے باہمی پر زور دیا ہے۔

آخر میں مصنف نے انگلستان اور مسلمانوں کے درمیان تعلق کے بارے میں تبصرہ کیا ہے۔ مصنف نے بہت صحیح کہا کہ تمام بڑی فکری تحریکیں اور ان کی ترقی اور تباہی کی طاقت کو اندر سے نہ کہ باہر سے مطالعہ کیا جانا چاہیئے۔ وہ عیسائی دنیا کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ مسلم تراث کے اوپر براہِ راست سیاسی عمل دخل سے بچے۔ وہ بطورِ خاص انگلستان کو خبردار کرتا ہے کہ وہ ایشیا میں مسلمان دشمنی کے بجائے قبولیت کی راہ پر چلے اور اسلام کی اچھائیوں پر نظر رکھے تاکہ ایشیائی اپنے لیے دوسرے قائدین نہ تلاش کرنے لگیں۔ مصنف کو اندازہ نہیں تھا کہ مسلمان دوسرے ملکوں کو اپنے لیے قائد بنانے کے بجائے آزادی کو ترجیح دیں گے۔ اس کے خیال میں انگلستان کی ایشیائی سلطنت کو لوگ رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جب کہ اس کی اپنے ایشیائی عوام سے عدم توجہی کسی دوسرے پڑوسی کو ان پر تسلط حاصل کر لینے پر آمادہ کر سکتی ہے جیسے کہ روس۔

اپنی کتاب کے آخر میں مصنف نے بالکل صحیح پیش گوئی کی ہے کہ بے شک مسلمانوں کی دنیا پر سلطنت کے دن پورے ہو گئے ہیں مگر مختلف حالات میں انہیں خود اپنے اوپر حکم رانی جلد ملے گی اور یہ کہ وہ جنوبی ایشیا اور افریقہ کی روحانی اور پھر دنیاوی میراث بھی پالیں گے۔

کہیں کہیں مصنف نے بغیر حوالے کے دوسرے مصنفوں کی تحریروں میں سے اقتباس شامل کیے ہیں۔ مصنف نے اسلام میں آگے بڑھنے اور عصری تقاضوں کے مطابق ڈھلنے کی صلاحیت کا اعتراف کیا ہے۔